شامل حال تھا کسی شخص کو کوئی شرارت نہ سوجھی اور نہ کسی نے ہم سے تعرض کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ منبر پر کھڑے ہوئے تقریر سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی اتنے میں مرزائی رضاکار جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں مسجد میں داخل ہوئے قادیان کے ایک جیالے مسلمان نے مرزائیوں کے داخلے پر احتجاج کرنا چاہا مگر حضرت شاہ صاحب نے اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور فرمایا یہ نوجوان ہمارے مہمان ہیں اور یہ خانۂ خدا ہے اس میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کے بعد مرزائی نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آؤ میرے عزیزو آگے آکر بیٹھو ہٹو بھئی ان کو جگہ دو وہ لوگ آگے آکر بیٹھ گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کی آیت درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے تلاوت کی اور اس کے بعد مسئلہ ختم نبوت پر مثبت انداز میں تقریر فرمائی، تقریر کیا تھی، جادو تھا سحر تھا، پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ تقریر کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا خدا جانے کیا ہوا حاضرین سانس بھی آہستہ لیتے تھے، شاہ صاحبؒ نے اس مسئلے پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ دوران تقریر وہ دریافت بھی کرتے گئے کہ مسئلہ ٹھیک طرح سے سمجھ میں آ گیا ہے سب لوگ مع مرزائیوں کے اقرار کر رہے تھے، جھوم رہے تھے فرطِ عقیدت سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے تقریر کے بعد جب شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو مرزائی نوجوانوں نے ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا مگر انہیں بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا پڑی اپنے عقیدت مندوں کے مجمع میں تقریر کر کے واہ واہ کرا لینا کچھ مشکل کام نہیں ہے مگر جو لوگ بدترین مخالف ہوں جو مخالفت کے ارادے سے آئے ہوں انہیں وجد میں لے آنا یہ وصف یہ ہمت اور حوصلہ خدا نے بخاریؒ کو دے رکھا تھا آہ وہ شیدائے رسولؐ وہ پیکرِ ایثار و محبت اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس ایک واقعہ سے مرزائیوں کا یہ پراپگنڈا کہ حضرت شاہ صاحب قادیان میں داخل ہوئے تو خون خرابہ ہوگا ختم ہوگیا حکومت کے پاس اس واقعہ کے بعد پابندی لگانے کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ نہ صرف یہ کہ قادیان میں داخل ہوئے بلکہ وہ تو مرزائیوں کے اپنے محلے میں گھوم پھر گئے اور مجمع عام میں مسئلہ ختم نبوت پر دل کھول کر تقریر بھی کر ڈالی۔

این سعادت بزور بازو نیست،
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

تحریر: ضیغمِ احرار جناب شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ
استدراک: سید عطاء المحسن بخاری

میرے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ

یہ کیا دستِ اجل کو کام سونپا ہے مشیت نے
چمن سے توڑنا پھول اور ویرانے میں رکھ دینا

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایسے مقدس دَور کی صدائے بازگشت تھے جس کا آغاز ۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی (بنگال) سے ہوا۔ فرنگی مقامروں نے لالچ، سازش، مکر و فریب اور ظلم و استبداد کے ابلیسی ہتھکنڈوں سے سراج الدولہ کو شکست دی۔ اس شکست کا انتقام لینے کیلئے امیر حیدر علی اور سلطان ٹیپو میسور میں منظم ہوئے اور فرنگی کے دانت کھٹے کئے مگر وہی ابلیسی دیرینہ حیلے یہاں بھی فرنگی کی کامیابی کا ذریعہ بنے۔ ان حادثوں میں ملّی زوال کے اسباب کبھی رونما نہ ہوتے اور فرنگی کبھی مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ نہ کر سکتا۔ اگر بنگال و دکن کا رافضی عنصر دولت واقتدار کی دہلیز کو نہ چاٹتا اور غداری و سازش کی لعنت کا طوق اپنے گلے میں نہ ڈالتا۔ ان علقمی زادوں نے ذاتی مفادات کو قومی و ملّی مفادات پر ترجیح دے کر ہندوستان کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ انگریز ہندوستان پر تقریباً قابض ہو گیا ان کی اس رسوائے زمانہ شیعی پالیسی پر ترجمانِ اسلام علّامہ اقبال مرحوم نے ذیل کا شعر کہہ کر انہی غدارانِ ملّتِ اسلامیہ کو ابدی لعنت کا سزاوار ٹھہرا دیا

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ دیں ننگِ وطن

ان رافضیوں، تبرائیوں اور علقمی زادوں کی سلگائی ہوئی منافقت و ملت فروشی کی آگ مغل خانوادے کے آخری تاجدار سراج الدین ظفر کے نابالغ شہزادوں کے سرِ ناشتہ خوان پر سجا کے جلائی گئی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو جہاد کے فتوٰی سے تیز تر کرنے والے علماء، مصلح، عوام، مسلمان اور ہندو بھی مولانا احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خان، تیتو میر رحمہم اللہ اور تانتے شاہ کی کمان میں اس کو بجھاتے بجھاتے

شمع کی مانند خود بھی جل بجھے۔

فرنگی استبداد کا دیو خبیث جب رافضیوں کی ملی بھگت سے مسلمان مجاہدوں کے سروں کی فصل کاٹتے کاٹتے اکتا گیا تو فرنگی استعمار نے سزاؤں کا رُخ بدل کر جا بیداد کی ضبطیوں، کالے پانیوں میں عمر قید کی ذلیل پالیسی سے انسانیت کی تذلیل اور مسلم دشمنی پر مہر ثبت کر دی۔ رافضی نوابوں اور جاگیرداروں نے فرنگی اقتدار کے مارِ جسیم کو اوک سے پیا اور سرکاری سرپرستی میں عوامی زندگی میں زہر گھولنا شروع کر دیا تو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی امام الہند بن کر ابھرے اور فرنگی اور اس کے گماشتوں کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی احمد شاہ ابدالی شاہ ولی اللہ کے خوابوں کی تعبیر بن کر ہندوستان میں وارد ہوا اور مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے لگا گیا۔ حالات نے پھر منفی رُخ اختیار کیا اور شاہ ولی اللہ ان فرنگی گماشتے رافضیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید نے ان کی خالی جگہ پر کی اور اس تحریک کو جہاد و ہجرت کا نیا رُخ دیا اور عملی جد و جہد اپنے دوسرے عوامی ارتقائی دور میں داخل ہو گئی پھر کچھ عرصہ بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے مقدس اسلاف کی جہاد اسلامی کی عملی ریت کو تازہ کیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے عظیم رُفقاء نے انگریزوں اور ان کے رافضی گماشتوں کے دانت کھٹے کئے اور فتح و شکست کے بین بین جہاد جاری و ساری رکھا۔ عملی زندگی میں وطنی غلامی پسند لوگوں کی بدنہادی سے تنگ آ کر تحریکی ذہن تیار کرنے کی نئی راہ کھولی اور دیوبند کے مدرسہ کی نیو اٹھائی پھر اس مدرسۂ فکر نے احیاءِ دین کی تحریک کے مجاہد مولانا محمود حسن اموی قریشی کی امامت میں اس جہاد کا آغاز کیا تو فرنگی اور فرنگی زادوں سے عوامی انتقام کی آگ نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مولانا اپنے جیالے رفقاء کی سرپرستی کرتے ہوئے مالٹا میں اسیر ہو گئے۔ پھر جب مولانا رہا ہوئے تو زمانہ کروٹ بدل چکا تھا

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

جہادِ حُریت نے لوگوں کو تھکا دیا تھا۔ مسلمانوں میں سیاسی انتشار عروج پر تھا اور انگریز کی وفادار جماعت کانگریس اور مسلم لیگ نے عوام میں فرنگی سرکار کی مفاہمت کے جذبہ کو عملی زندگی میں قومی ملی زندگی کا بنیادی پتھر بنا دیا تو یہ ایک حلقۂ یاراں مختلف ٹولیوں میں بٹنے لگا۔ وڈیروں، جاگیرداروں کا ٹوڈی طبقہ سر آغا خان، نواب وقار الملک، سر سلیم اللہ وغیرہ کی پا تو جماعت مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی

بنا کر قومی مجاہدوں کی مخبری کے فرائضِ منصبی ادا کرنے پر قانع ہوگیا۔ علماء بھی دو حصوں میں بٹ گئے کچھ کانگرس میں دیوی درشن پر راضی ہو گئے اور گاندھی کی جھوٹی اہنسا کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اور کچھ فرنگی گماشتوں کی پیش کردہ آسائش و زیبائش کی نذر ہو گئے۔

۱۳۳۹ھ میں مولانا محمود حسن اُموی قرشی اللہ کو پیارے ہو گئے تو ہندوستان کی بساطِ جہاد بساطِ سیاست بن کے رہ گئی۔ اس پورے ہندوستان میں اگر کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے تو وہ تھے۔

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان	ڈاکٹر مختار احمد انصاری
علی برادران (محمد علی، شوکت علی)	مفتی کفایت اللہ
مولانا حسین احمد مدنی	مولانا ابو الکلام آزاد
مولانا احمد سعید دہلوی	مولانا عبد الباری فرنگی محلی
مولانا عبد الحامد بدایونی	مولانا فاخر الہ آبادی
مولانا عبد القادر قصوری	مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
مولانا سید سلیمان ندوی	تصدق حسین شروانی
رفیع احمد قدوائی	حفظ الرحمٰن سیوہاروی
مولانا محمد داؤد غزنوی	مولانا محی الدین اجمیری
ظفر علی خان	ڈاکٹر سیف الدین کچلو

اور امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً

ہمارے شاہ جی ان تمام باوقار و بلند مرتبہ متقدمین سے متاخر ہونے کے باوجود جہادِ آزادی کی بساط پر اس شان و تمکنت سے جلوہ گر ہوئے جیسے ظلمتوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ماہتاب! دیکھتے ہی دیکھتے امرتسر کے کوچۂ جیل خانہ کی مسجد کا امام ۱۸۵۷ء کے مجاہدین سے لے کر مولانا محمود حسن تک کے قافلۂ حریت کا آخری سپہ سالار بن گیا اور وادیٔ عرب کے ریگزاروں میں گھن گرج کی جو آوازیں کبھی گونجا کرتی تھیں وہ ہندوستان میں ہمالہ سے سلہٹ اور کراچی سے جلال آباد تک گونجنے لگیں وہی مبارزت، وہی رجز خوانی، وہی لحنِ داؤدی میں تلاوتِ قرآن اور وہی معرکہ آرائی

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد بخاری

خلوص وللّٰہیت، وفا و ثابت قدمی، قربانی و ایثار، جفاکشی و جواں ہمتی جیسی صفاتِ عالیہ میں شاہ جی اپنے اسلاف کی مکمل تصویر تھے۔

شاہ جی مدرسہ نصرۃ الحق میں حضرت مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی اور مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر الدین ہال بازار میں موقوف علیہ تک پڑھ چکے تھے جب ۱۹۱۹ء کی سیاہ اپریل میں جلیانوالہ باغ میں کرنل اڈوائر نے خونی ڈرامہ کھیلا امتِ مسلمہ میں اس وحشت و بربریت اور سفاکی کے خلاف اجتماعی ردِّ عمل نے ملک بھر کے مجاہدین اور سیاست دانوں کو حصہ لینے پر مجبور کر دیا تو شاہ جی کو میں نے پہلے پہل بندے ماترم ہال کے ایک قومی اجتماع میں دیکھا۔

اپریل ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء میں مظالم جلیانوالہ باغ کی تحقیقات کیلئے سرکاری وغیر سرکاری کمیشن بیٹھے اور اسی سال دسمبر کے آخری ہفتہ میں خلافت، مسلم لیگ اور کانگرس کے مشترکہ اجلاس منعقد ہوئے اور مارشل لاء کے تمام قیدیوں کو رہائی ملی اور حکومت ہند کی مرضی کے علی الرّغم علی برادران، مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں کو بھی اجتماع میں شمولیت کے لئے بروقت آزاد کر دیا گیا جن کو خوش آمدید کہنے اور جن کے استقبال کے لئے گویا پورا ہندوستان اُمڈ آیا تھا اجلاس بندے ماترم ہال میں تھا اور قائدین کی آمد سے پہلے ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ شاہ جی بھی ان قومی قائدین کی زیارت کرنے اور ان کی باتیں سُننے کیلئے محویت کی تصویر بنے بیٹھے تھے ان دنوں شاہ صاحب اصلاح الرسوم اور اصلاح عقائد پر ہی وعظ کہتے تھے بعد میں شاہ جی سے سنا کہ " جو کچھ میں مولانا نور احمد سے تفسیر جلالین میں پڑھتا وہی جمعہ اور مواعظ میں سنا دیتا تھا"۔

شاہ جی دوستوں کی محفلوں میں بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی شعر وادب کی مجالس میں دیکھے جاتے تھے۔ حکیم طغرائی کی بیٹھک پر روزانہ مجمع احباب ہوتا جن میں سید محمد مقیم بخاری جو آپ کے ددھیالی ونھیالی عزیزوں میں سے تھے۔ حکیم ظہیر الدین صہبائی، حفیظ جالندھری اور بہت سے لوگ جو امرتسر کی ادبی زندگی کی روح و جاں تھے۔ شاہ جی ان میں بیٹھتے اُٹھتے۔ شعری و ادبی ذوق ان کا منجھا ہوا زبان محاورہ ان کی ننھیالی وراثت تھی کہ شاد عظیم آبادی جیسا بلند آدمی بھی محاوراتی زبان کی اصلاح کے لئے ان کی نانی اماں کے حضور حاضری دیتا تھا انہی دنوں چونکہ وعظ و تقریر سے آپ کو قبولیتِ عام کا درجہ حاصل ہو رہا تھا تو مولانا داؤد غزنوی نے شاہ جی میں وہ جوہر پایا جو اس وقت کے دینی تقاضوں کے لئے بہت اہم تھا۔ انہوں نے شاہ جی کو قومی معاملات

و مسائل کے اجلاس اور جلسوں میں دعوت دینا شروع کی تو شاہ جی خلافت کمیٹی کے سٹیج پر مسلمانوں کی آواز بن کر چمک اُٹھے پھر خلافت کمیٹی کے بندرگ مولانا عبدالقادر قصوری سے مشورہ اور حکم سے شاہ جی کو ضلع گجرات میں خلافت کمیٹیوں کی تشکیل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ شاہ جی نے بے پناہ جدوجہد سے ضلع گجرات میں دو سال کی جانکاہ محنت سے ساڑھے تین ہزار خلافت کمیٹیاں قائم کیں مسلمانوں کے دو اسکول بنائے۔ وکلاء کو کچہری سے وکالت چھڑوائی۔ برطانوی ہند کے نظام تعلیم میں جکڑے ہوئے اسکولوں سے کئی اساتذہ نے شاہ جی کی تقریر سن کر ریزائن کر دیا۔ مارچ ۱۹۲۱ء میں مسجد خیرالدین کے ایک جلسۂ عام میں حضرت شاہ جی نے تقریر کی اور برطانوی سامراج کی دھجیاں اڑا دیں۔

شاہ جی پر مظلوم ترکوں کی بربادی، خلافتِ عثمانیہ کا عبرتناک زوال، ٹوڈی مسلمانوں کی بے حمیتی علماء سو کی مداہنت کا بہت بُرا اثر تھا اس پر جلیانوالہ باغ میں فرنگی کے وحشیانہ مظالم نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مولانا آزاد کا الہلال، مولانا ظفر علی خاں کا ستارۂ صبح نے ان کی سمت متعین کر دی۔ ان سارے جذبات کا اخراج اس تقریر میں ہوا۔ تقریر ایسی تھی کہ امرتسر ہل گیا لوگ آمادۂ جہاد نظر آ رہے تھے۔ اس تقریر کی پاداش میں آپ گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور آپ کو تین سال قید بامشقت سزا ہوئی اور آپ میانوالی جیل بھیج دیئے گئے۔ پھر ریل اور جیل کا یہ لامتناہی سلسلہ چل نکلا جو تیس برس پر محیط ہے۔ قومی و دینی معاملات کا وہ کون سا مسئلہ ہے جس میں شاہ جی نہیں کودے جہاں بھی نارِ نمرود کا الاؤ جلا یہ براہیم صفت سید عطاءاللہ شاہ بخاری اس کے عزیز کو خاک میں ملانے جھپٹ پڑا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ امت پر مشکل پڑی ہو اور شاہ جی عام علماء کی طرح تماشا دیکھتے رہے ہوں۔ وہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور خالد بن ولیدؓ کی طرح لشکرِ غنیم پر جھپٹتے اور پینترا بدل بدل کر حملہ کرتے اور کبھی نہ تھکتے جس طرح صحابہ فرمایا کرتے تھے۔

باللیل رھباناً و بالنھار فرساناً

ہم راتوں کو راہب ہوتے ہیں اور دن میں گھوڑوں کی پشت پر

شاہ جی رات بھر تقریر کرتے، قرآن بیان کرتے۔ عشاء کی نماز پڑھ کے تقریر شروع کی اور صبح کی نماز پڑھ کے ستائے پھر اگلے پڑاؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ع

صبح تو اندر قرن شام تو اندر یمن

مرے نزدیک شاہ صاحب وہ منفرد زعیم تھے۔ جو اس عرصۂ جہاد میں امراء کی کوٹھیوں میں کبھی کبھار

اور غربا کی جھونپڑیوں میں اکثر قیام کرتے اور جو راحت و آرام وہ جھونپڑیوں میں محسوس کرتے وہ کہیں پاتے اور شاید اس خصوصیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان سے زیادہ کسی قومی کارکن نے سفر نہیں کیا۔ ریل بس، گھوڑا، اونٹ، خچر، گدھا، بیل، پیدل، تیر کر کوئی سا ذریعۂ سفر ایسا نہیں جو آزادی، حریت، عدل مساوات، اخوت اور ختم نبوت کے مشن کی تکمیل کے لئے شاہ جی نے اختیار نہ کیا ہو۔ ان مذہبی جاہ داروں کی طرح نہیں جو زادِ سفر اور وسیلۂ سفر نہ ملنے پر تبلیغ و وعظ کی مجالس اور قومی ملکی مسائل کے اجلاس برباد کر دیتے ہیں اور پھر مکروہ تاویلات سے جماعتوں اور دینی کارکنوں کا منہ بند کر دینے کے فنِ خبیث میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں۔ شاہ جی فرمایا کرتے تھے وعدہ کر لیا ہے تو نبھاؤ ورنہ اللہ کو کیا منہ دکھلاؤ گے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دینی و قومی کاموں میں غفلت اللہ کے ہاں مسئولیت کا سبب ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار

گلِ حسنِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

حضرت شاہ صاحب کی حیاتِ طیبہ کے کن کن محاسن کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے مغربی سیاست کے مدوجزر میں وہ کون سا مقام آیا جہاں قلبِ صادق کے لئے کلمۂ حق کو اونچی سے اونچی آواز میں بلند کرنے کی ضرورت ہوئی اور بہار اسیر نتائج سے یکسر بے نیاز ہو کر وقت کے فرعونوں اور نمرودوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے سب سے پیش مقام پر نہ دیکھا گیا ہو۔ جنگِ آزادی ہو یا فرنگی کی اسلام دشمن حکمتِ عملی کے خلاف جہاد، سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر حملوں کے خلاف سینہ سپر ہونا ہو یا بانیانِ مذاہبِ حق کی عزت کا قانونی تحفظ۔ شاہ جی کا عمل سرخروئی کے لباس میں سب سے زیادہ افضل، اعلیٰ اور روشن نظر آتا ہے۔ راج گوپال والی تحریک ہو یا مغلپورہ ایجی ٹیشن، کوئٹہ کے مفلوک الحال زخمی انسانوں کی خدمت اور امداد ہو یا کشمیر کے بے کس مظلوم مسلمانوں پر ڈوگرہ شاہی کے مظالم، ردِ مرزائیت ہو یا تحفظِ ختمِ نبوت کے لئے جان کی بازی غرضیکہ ہر مقام و ہر منزل پر حضرت شاہ صاحب قافلہ سالار کی حیثیت میں رجز خوانی و ھل من مبارز کے نعرے لگاتے ہوئے ملے اور ساتھیوں اور جاں بازوں کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ سزا کو ہنستے ہوئے قبول کرتے نظر آئے۔ چنانچہ جاں بازی و سرفروشی کے اس پیکر پر ایک شاعر کا یہ شعر کس قدر موزوں و برجستہ نظر آتا ہے۔

این است کہ خوں خوردہ دل بردہ بسے را ۔۔۔ بسم اللہ اگر تابِ سخن ہست کسے را